3

خدام الاحمدیہ مؤذّنوں کو درست اذان سکھائے

یوم الحج سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہئے

(فرمودہ 19 جنوری 1940ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مَیں نے غالباً ایک سال کا عرصہ ہؤا خدام الاحمدیہ کو توجہ دلائی تھی کہ قادیان میں جو لوگ اذانیں دیتے ہیں ان کی اذانوں کی اصلاح کر دیں۔ اب تو ان میں بہت سے مولوی فاضل بھی شامل ہو چکے ہیں۔ خود ان کے صدر مولوی فاضل اور حافظ ہیں اس لئے یہ کام ان کے لئے بہت آسان ہے مگر اب یہ مرض بجائے کم ہونے کے زیادہ شاندار ہو رہا ہے۔ ابھی جو اذان کہی گئی ہے یوں معلوم ہوتا تھا کہ مؤذن کے حلق میں آلو پھنسا ہؤا ہے۔ وہ ہر لفظ کو آؤں کہہ کر ادا کرتا ہے پہلے تو مَیں نے توجہ دلائی تھی کہ حَیَّ کو حَایَا کہا جاتا ہے مگر آج صرف حَیِ کہا گیا ہے یعنی دوسری یاء اُڑ گئی ہے۔

اذان کا درست طور پر یاد کر لینا معمولی سی بات ہے اور اس کے خوبصورت یا بدصورت ہونے کا طبائع پر اثر پڑتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول سنایا کرتے تھے کہ ایک مسجد کے پاس ایک سکھ رئیس رہا کرتا تھا اس نے ایک دفعہ اس مسجد میں اذان دینے والے کو کچھ تحفہ دیا۔ پگڑی اور دس بارہ روپے اسے دیئے اور کہا کہ یہ نذر ہے اس لئے کہ آپ آئندہ اذان

کہنی چھوڑ دیں۔ اس نے پوچھا کہ کیوں؟ تو وہ کہنے لگا کہ آپ کی آواز ایسی اچھی ہے کہ میری بیٹی کہتی ہے کہ مجھے مسلمانوں کا مذہب اچھا لگتا ہے اس لئے یہ نذر لے لو، اَور بھی میں پیش کرتا رہوں گا اور اذان کہنا چھوڑ دو۔ وہ بے چارا معمولی حیثیت کا آدمی تھا لالچ میں آگیا اور اذان کہنی چھوڑ دی۔ دوسرا جو اس کی جگہ مقرر ہؤا اس کی آواز نہایت مکروہ تھی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ چند روز کے بعد اس سکھ رئیس کی لڑکی نے کہا کہ اباجی معلوم ہوتا ہے میری رائے غلط تھی مسلمانوں کا مذہب کوئی ایسا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

تو ظاہری باتوں کا بھی طبائع پر بہت اثر ہوتا ہے۔ ہندوستانی ل سے پہلے ایک آؤ کی آواز نکالتے ہیں اور اس طرح پورا زور لگا کر اس آؤ کو نکالتے ہیں جس طرح مزدور کہا کرتے ہیں کہ لا دے زور مگر عربی طریق یہ نہیں۔ وہ ال کہیں گے جیسے برتن میں کوئی چیز ڈالی جائے تو اس سے جھنکار پیدا ہوتی ہے۔

یہ عربی زبان کی ایک خوبی ہے کہ اس میں ایک موسیقی پائی جاتی ہے اور کسی زبان میں یہ بات نہیں اور عربی کی اس خوبی کا بہترین نمونہ قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔ دنیا کی کوئی اور ایسی کتاب نہیں جس کی نثر ترتیل کے ساتھ پڑھی جاسکے جس طرح کہ قرآن کریم پڑھا جا سکتا ہے۔ اردو، انگریزی یا کسی اَور زبان کی کوئی اَور ایسی کتاب نہیں جس کی عبارت اس طرح پڑھی جاسکے جس طرح ہم ترتیل کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ 1 پڑھتے ہیں۔ اس کی بجائے اگر انگریزی کی یہ عبارت ہم ترتیل کے ساتھ پڑھیں I will go there تو وہ اس قدر مضحکہ خیز ہو جائے گی کہ ہر سننے والا ہنس پڑے گا مگر عربی کے الفاظ ایسے ہیں کہ ان کا اُتار چڑھاؤ بالکل نظم کا سا ہوتا ہے۔ اس کی حرکات اپنے اندر خصوصیات رکھتی ہیں اور جب تک ان کی اتباع نہ کریں یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا مُنہ چِڑا رہے ہیں۔ اکسنٹ (ACCENT) پر جتنا زور عربی نے دیا ہے اور کسی زبان نے نہیں دیا۔ ہر لفظ کی اس کے اتار چڑھاؤ سے اچھی یا بری شکل بن جاتی ہے اور ان کی کمی بیشی سے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ مثلاً لَ کے معنی ضرور کے ہیں۔ لیکن اگر ذرا سا لمبا کر دیں اور لَا کہیں تو اس کے معنی "نہیں" ہوں گے۔ تو حرکت کے ذرا چھوٹا بڑا کر دینے سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں یَتَّقُوْنَ اور یَتَّقُوْنِ

کے الفاظ آتے ہیں۔ یَتَّقُوْنَ کے معنی ہیں وہ ڈرتے ہیں اور یَتَّقُوْنِ کے معنی ہو جائیں گے وہ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ تو زبر اور زیر کے فرق سے معنوں میں بہت سا فرق پڑ جائے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایک مرتبہ ایک پادری آیا اس نے کہا کہ عربی زبان کوئی ایسی زبان نہیں کہ جس میں خدا کا کلام نازل ہو۔ یہ تو بدوؤں کی زبان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں خدا تعالیٰ کا کلام بیان کرنے کی جو استعداد عربی زبان میں ہے وہ کسی اور زبان میں نہیں مگر اس پادری کا دعویٰ تھا کہ انگریزی کا مقابلہ عربی زبان ہرگز نہیں کر سکتی۔ آپ نے اسے کہا کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو بیان کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ زبان ایسی ہو جو بڑے سے بڑا مضمون چھوٹے سے چھوٹے الفاظ میں ادا کر سکے۔ اس نے کہا ہاں انگریزی میں ہی یہ خصوصیت ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر "میرا پانی" کہنا ہو تو انگریزی میں کیا کہیں گے؟ اس نے کہا مائی واٹر۔ آپ نے فرمایا عربی میں صرف مَائِیْ کہہ دینا کافی ہو گا۔ گویا انگریزی میں واٹر زائد ہے۔ آپ کا یہ فرمانا بالکل خدائی تصرف کے ماتحت تھا ورنہ آپ تو انگریزی جانتے ہی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کے مُنہ سے ایسا فقرہ کہلوا دیا جس سے عربی کا اختصار انگریزی کے مقابلہ میں واضح ہو گیا۔ حالانکہ شاذ کے طور پر کوئی ایسا فقرہ بھی ہو سکتا ہے جس کا انگریزی ترجمہ عربی سے مختصر ہو مگر آپ کے مُنہ سے اسی فقرہ کا نکلنا تصرفِ الٰہی کے ماتحت تھا۔ پھر یہ بھی تصرف ہی کے ماتحت تھا کہ ایسا فقرہ آپ کے مُنہ سے نکلا کہ جس کا آدھا حصہ ہی عربی میں انگریزی کے پورے فقرے کے معنی دیتا ہے۔ تو عربی زبان میں کئی خصوصیات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی نثر ترتیل کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے اور زبانوں میں یہ بات نہیں۔ ان کو اگر اس رنگ میں پڑھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ مُنہ چِڑایا جا رہا ہے۔

پس خدام الاحمدیہ کو چاہیئے کہ تمام مساجد کے مؤذنوں کو درست اذان سکھائیں اور ان کو الفاظ پر بلاوجہ زور دینے اور گولائی دینے سے روکیں۔

اس کے بعد میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آج کا دن حج کا دن ہے۔ آج سب حاجی عرفات کے میدان میں جمع ہیں تا خدا کے حضور دعائیں کریں اور اپنے اخلاص کا ہدیہ پیش کریں۔ اِس وقت میری آنکھوں کے سامنے وہ نظارہ ہے کہ لوگ منیٰ سے

چلے جا رہے ہیں اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے جا رہے ہیں۔ کیا ہی عجیب نظارہ ہے! یہ الفاظ رسول کریم ﷺ نے اس موقع کے لئے ایسے رکھے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ سامنے ہے اور اپنے بندوں کو بلا رہا ہے اور اس کے بندے اے میرے رب! میں حاضر ہوں کہتے ہوئے اس کی طرف چلے جا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا کوئی شریک نہیں صرف تُو ہی اس امر کا مستحق ہے کہ بندوں کو آواز دے اور تیرے بلانے پر ہم تیرے حضور حاضر ہیں۔ یہ الفاظ نہایت سادہ ہیں مگر نہایت شاندار مفہوم ادا کر رہے ہیں اور یہ الفاظ مُنہ سے کہتے ہوئے لوگ وہاں جاتے ہیں جہاں خدا تعالیٰ نے اپنا جلوہ دکھانے کا وعدہ کیا ہوُا ہے۔ مگر جو لوگ وہاں جاتے ہیں کیا وہ سب اس جلوہ کو دیکھتے ہیں؟ کیا ان سب حاجیوں کو جو وہاں پہنچتے ہیں یہ جلوہ دکھائی دیتا ہے؟ بالکل نہیں۔ کیونکہ وہ اخلاص کے ساتھ نہیں جاتے۔ اگر اخلاص اور تقویٰ سے وہاں جائیں تو ان میں سے کوئی بھی خالی نہ لَوٹے۔ حقیقت یہ ہے کہ سینکڑوں میں سے شاید ہی کوئی یہ جھلک دیکھ کر لَوٹتا ہے اور باقی خالی ہاتھ جاتے ہیں اور خالی ہاتھ آ جاتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بھری ہوئی جیبوں کے ساتھ جاتے اور خالی ہاتھ واپس آ جاتے ہیں۔ جب وہ حج کے لئے جاتے ہیں تو ان کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے مگر جب وہ حج پر روپیہ خرچ کرنے کے بعد آتے ہیں تو ان کے پاس نہ دین ہوتا ہے نہ دنیا۔ دنیا کا روپیہ وہ خرچ کر آتے ہیں اور دین ملتا نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حج کو جانے والوں میں سے بہت سے خالی ہاتھ واپس آتے ہیں۔ گو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو خالی ہاتھ واپس نہیں آتے۔ نیک زمانہ میں تو ہزاروں جاتے اور ہزاروں ہی بھرے ہوئے دامن کے ساتھ واپس آتے ہیں۔ مگر بد زمانہ میں ہزاروں جاتے اور ان میں سے بہت تھوڑے خدا تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہو کر آتے ہیں۔

بہرحال آج کا دن وہ دن ہے جب خدا تعالیٰ خود دینے پر آتا ہے اور اس سے بہتر موقع لینے کا اور کوئی نہیں ہوتا جب دینے والا خود دینے پر آئے۔ بعض اوقات ایک شخص کے پاس کروڑوں روپیہ ہوتا ہے اور کوئی اس سے ایک پیسہ مانگتا ہے تو وہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ مگر کوئی وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس نے لاکھوں کمائے ہوتے ہیں اور کروڑوں کی امید ہوتی ہے۔

اُس وقت اگر کوئی مانگے تو وہ بیس، پچاس، سَو بلکہ ہزار بھی دے دیتا ہے۔ تو دینے کے لئے صرف روپیہ یا چیز کی موجودگی کا ہی سوال نہیں بلکہ حالات کا بھی دخل ہوتا ہے۔ ایک وقت دینے والا خوشی میں بیٹھا ہوتا ہے تو مانگنے والے کو مل جاتا ہے۔ لیکن دوسرے وقت وہ ناراض ہوتا ہے اور اس وقت کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ اسی طرح بعض دنوں میں اللہ تعالیٰ زیادہ دینے کے لئے تیار ہوتا ہے ان دنوں میں سے ایک یہ دن ہے۔ اس دن کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے ذریعہ جو دعا سکھلائی اس کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج خدا تعالیٰ اپنا جلوہ دکھانے کے لئے تیار ہے۔ الفاظ ہی ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ بندے کو بلا رہا ہے اور بندہ آواز دیتا ہؤا اس کی طرف جا رہا ہے۔ اس لئے یہ موقع مانگنے کے لئے نہایت موزوں ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں ہم کس طرح اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ لیکن میں ان کو بتاتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ ایک مرتبہ جہاد کے لئے تشریف لے گئے۔ کچھ لوگ آپ کے ساتھ تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے کئی بھائی ایسے ہیں جو مدینہ میں بیٹھے ہیں مگر کوئی ثواب ایسا نہیں جو تم کو ملتا اور وہ اس سے محروم رہتے ہوں۔ تم جو نیک کام بھی کرتے ہو اس کا ثواب ان کو بھی پہنچتا ہے۔ صحابہؓ نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! یہ کیا بات ہے۔ تکالیف ہم اٹھائیں اور وہ گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہمارے برابر ثواب حاصل کر لیں؟ آپ نے فرمایا کہ ان کو ثواب کا مستحق وہ ولولہ اور شوق بناتا ہے جو ان کے دلوں میں بھرا ہؤا ہے اور اگر مجبوریاں نہ ہوتیں تو وہ ضرور یہاں ہوتے۔2

پس ہر وہ شخص جس کے دل میں جوش اور خواہش ہے کہ حج کو جائے اگر آج یہاں بیٹھا ہے تو رسول کریم ﷺ کے فرمائے ہوئے اس اصول کے مطابق وہ خدا تعالیٰ کے حضور ان لوگوں میں ہی شامل سمجھا جائے گا جو آج میدانِ عرفات میں جمع ہیں خواہ وہ دنیا کے کسی کونہ میں ہوں۔ خدا تعالیٰ کی نظر انسان کے دل پر ہوتی ہے۔ انسان عمل میں منافقت کر سکتا ہے مگر دلی خیالات میں نہیں۔ تم چاہو تو ایک منٹ میں کہہ سکتے ہو کہ میں نے اپنی ساری جائداد فلاں شخص کو دے دی مگر اس سے ہزارواں حصہ نفرت یا محبت کسی کو نہیں دے سکتے۔ محبت یا نفرت پیدا کرنے کے لئے خاص سامانوں اور محرکات کی ضرورت ہوتی

ہے جس کے بعد وہ آپ ہی آپ پیدا ہوتی ہے۔ وہ تمہارے اختیار کی بات نہیں۔ اپنی لاکھوں کی جائداد یا مال کا دے دینا تمہارے اختیار میں ہے مگر محبت یا نفرت تمہارے اختیار میں نہیں۔ تم دل کے ساتھ منافقت نہیں کر سکتے اعمال میں کر سکتے ہو۔ ممکن ہے اس سے کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ پھر عمل تو کوئی چیز نہ ہوا مگر نہیں۔ حقیقی نیت خود بخود عمل پیدا کر لیتی ہے۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ نیت کے مقابلہ میں عمل کمزور چیز ہے تو میرا مطلب اس سے عمل کی حیثیت کو گرانا نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ خالص ارادوں اور اچھی نیتوں سے عمل علیحدہ رہ نہیں سکتا۔ خالص نیت ایک مقناطیس ہے اور عمل لوہا ہے۔ جہاں مقناطیس ہو اگر لوہا موجود ہو تو وہ خود بخود اس کی طرف کھنچا چلا جائے گا۔ اور اگر عمل کی طاقت ہے ہی نہیں تو پھر کوئی اعتراض کی بات ہی نہیں۔ زکوٰۃ فرض ہے مگر جس کے پاس مال نہ ہو اس پر نہیں، روزہ فرض ہے مگر بیمار کے لئے نہیں، نماز ضروری فرض ہے مگر بے ہوش کے لئے نہیں۔ پس اگر نیت خالص ہے اور عمل کی طاقت ہے تو عمل خود بخود کھنچے چلے جائیں گے۔ لیکن اگر عمل کی طاقت ہی نہ ہو تو پھر عمل کے نہ ہونے پر کوئی اعتراض ہی نہیں۔ پس ہر وہ شخص جو دل میں حج کی نیت رکھتا تھا مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے اس کی توفیق نہیں مل سکی اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حدیث کے ماتحت یقیناً آج اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شمار انہی لوگوں میں ہے جو عرفات میں جمع ہیں۔ خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو۔ اور آج لوگ جہاں بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں گے وہ اُس برکت سے حصہ پائیں گے جو عرفات والوں کے لئے مقدر ہے۔ اور رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق خدا تعالیٰ ان کو انہی لوگوں میں شامل کرے گا۔

پس آج کے دن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ لوگ خوب دعائیں کریں۔ اسلام کی ترقی کے لئے، سلسلہ کی ترقی کے لئے، سلسلہ کی ہر قسم کی مشکلات کے لئے، افراد اور جماعت کی علمی، تمدنی، اخلاقی، تہذیبی اور روحانی ترقی کے لئے اور افراد اور جماعت کی ہر قسم کی مشکلات کے دور ہونے کے لئے۔ پھر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ سلسلہ کی ترقی کے سامان پیدا کرے اور ہمارے ہاتھوں وہ مقصد پورا ہو جو وہ حج سے قائم کرنا چاہتا ہے۔ یعنی

دنیا کی مختلف اقوام کو ایک جگہ جمع کرنا۔ پس وہ اس مقصد کو عملی رنگ میں پورا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے اور ہم دنیا کو ایک جگہ جمع کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔"

(الفضل 3 فروری 1940ء)

---

1 الفاتحة:2

2 بخاری کتاب الجہاد والسیر باب من حبسہ العذر